ولی دکنی کی غزل میں پیکر تراشی و تمثال کاری

پروفیسر ڈاکٹر روبینہ شاہین[1]، ڈ اکٹر انتل ضیاء**

Abstract:

"Wali Mohammad Wali is generally recognized in literary history as Wali Dakhani and, at times, Wali Gujrati and Wali Aurangabadi. He was said to be born in 1667 either in Ahmedabad Gujrat or Aurangabad Maharashtra India. Wali Dakhani is claimed till now by Deccan and Gujrat although he lies buried in the city of Ahmedabad, where his grave was vandalized during the infamous riots of 2002.

Wali represents the lover figure in both the worlds of the sensual and the non-sensual. Wali surprised the literary circle with the first established poet to have composed Ghazals in Urdu and his non-Persianised Urdu Divaan and its linguistic freshness. Being image maker and an innovator of refreshing similes and metophors, Vali has come to be categorized as a canonical figure in the history of Urdu Poetry and this research article is focused on it."

کلیدی الفاظ: تمثال، سراپا، امیج، سروقد، زنخداری،زلف، عاشق، طوبی، تخیل، صوت، جمال، حُسن

ولؔی اردو شاعری میں ایک خاص طرز کے حامل ہیں۔ اُردو غزل کے ارتقاء میں ولی دکنی کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ ولؔی سے پہلے بھی شاعری میں غزل کی روایت موجود تھی اور مختلف شعراء نے اس صنف میں طبع آزمائی کی تھی۔ انھوں نے غزل کے ڈھانچے کو تو اپنا لیا لیکن غزل کی جو اپنی مخصوص فضا ہے، اس سے پوری طرح ہم آہنگ نہ ہوسکی۔ ولؔی نے غزل گوئی میں جمالیاتی آہنگ کے ساتھ ساتھ زندگی کی دلکشی کا بھی بھرپور لطف پیش کیا ہے۔ شاعری، شاعر کے تجربات کی غماز ہوتی ہے، ولیؔ نے اپنے تجربات کو غزل کے پیکر میں تراشا اور رنگین تصاویر پیش کیں۔شاعر بھی مصور کی طرح اپنے احساسات و جذبات کو لفظی پیکر دیتا ہے اور اپنے مافی الضمیر کی ترسیل کا ذریعہ بنتا ہے۔ ولؔی کی شاعری میں ایک اہم صنف پیکرتراشی اور تصویر کشی ہے۔ اسی خوبی کی بنا پر یہاں ولؔی کی غزل میں تمثال کا ایک جائزہ پیش کیا جائے گا،لیکن سب سے پہلے تمثال کی مختصر تعریف زیرِ لفظ ہے۔

"فیروزاللغات میں لفظ تمثال بہ معنی پیکر، صورت، فرمانِ شاہی استعمال ہوا ہے۔(۱) تمثال (۲)پیکر صورت (۳) فرمانِ شاہی " (۱)

لفظ تمثال انگریزی لفظ امیج Image کا ترجمہ ہے۔ اردو میں امیج کے حوالے سے مختلف الفاظ ملتے ہیں جیسا کہ پیکر، تصویر، صورت وغیرہ۔ لفظ تمثال بطورِ اصطلاح اردو ادب میں بیسوی صدی کے نصف سےاستعمال ہونا شروع ہوا۔ابوالاعجاز حفیظ صدیقی نے امیج اور امیجری کے لئے تمثال کی اصطلاح کچھ یوں بیان کی ہے:

"تمثال ترجمہ ہے انگریزی اصطلاح امیج کا اور امیج سےمراد کسی شے کی وہ تصویر ہے، جو شاعر کے مہیا کئے ہوئے الفاظ کے ذریعے ہماری چشمِ تصور (چشمِ خیال) کے سامنے آتی ہے۔ محسوس اشیاء کو قاری کی چشمِ خیال کے لئے روشن کر دینا کوئی بڑی بات نہیں شاعر کا کمال اس بات میں ہے کہ وہ مجرد واردات و کیفیات کو بھی ایک ایسا پیکر مہیا کر دیتا ہے کہ چشمِ خیال انھیں اس طرح دیکھتی ہے جس طرح چہرے پر سجی ہوئی آنکھیں کسی شے کو دیکھتی ہیں۔ وصف الحال Description اور امیج میں فرق یہ ہے کہ وصف الحال تو اس شے کی تصویر کو روشن کرتا ہے جو دکھائی جانی مطلوب ہے اور امیج اصل شے کی تصویر

---

[1]صدر شعبہ اردو، جامعہ پشاور، پشاور

** شعبہ اُردو، جامعہ شہید بینظیر بھٹو برائے خواتین، پشاور

بنانے کی بجائے یا اصل شے کی تصویر کے ساتھ ایک اور تصویر بنا دیتا ہے اور یہ دوسری تصویر زیادہ حسی، زیادہ مقرون اور واضح حسی پیکر کی حامل ہونے کے باعث اصل شے یا پہلی تصویر کو (وہ مرئی ہو یا غیر مرئی حسی ہو یا عقلی) سمجھنے میں مدد دیتی ہے۔ یہ تصویریں تخیل کی مدد سے وجود میں آتی ہیں کیونکہ عمل تخیل کے دوران میں شاعر حسیہ تصویروں کے ذریعے سوچ رہا ہوتا ہے۔

یہ تمثالیں یا امیج اپنی لفظی حیثیت میں تشبیہات، استعارات یا مرکبات اضافی و توصیعی کی شکل اختیار کرتی ہیں یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اپنے اظہار کے لئے ان کا سہارا ڈھونڈتی ہیں۔"(۲)

تمثال الفاظ کے نقش و نگار سے مل کر بنی ہوئی تصویر ہے۔ شاعر اپنے محسوسات کے ذریعے احساسات، جذبات اور تجربات کا نقش دل و دماغ پر ثبت کرتا ہے۔ احساسات، جذبات اور تجربات جب شعر کی صورت میں ڈھلتے ہے تو لفظوں کی صورت میں جو تصویر یا پیکر ابھرتی ہے وہ تمثیل کہلاتی ہے۔

ادب میں تمثال کاری کی ابتداء ۱۹۰۸ء میں برطانوی شاعر "ہوم" نے کی تھی، جسے باقاعدہ تحریک کی صورت میں ۱۹۱۲ء میں "ایزا پاؤنڈ " کی وجہ سے ملی۔ ولّی کے زمانے میں تمثال کاری بطورِ اصطلاح متعارف نہیں ہوئی تھی، مگر ولّی کی پوری غزل میں تمثال کاری کے نمونے ملتے ہیں۔ ڈاکٹر سنبل نگار اس حوالے سے لکھتی ہے:

"ولی کو حسین اور رنگین تصویریں بنانے میں بڑی مہارت حاصل ہے۔ مصور رنگوں سے تصویر بناتا ہے۔ تصویر شاعر بھی بناتا ہے مگر اس کا میڈیم یعنی ذریعہ اظہار مختلف ہوتا ہے۔ اس کی تصویر لفظوں سے بنائی ہوئی ہوتی ہے یہ فنی تدبیر امیجری یا پیکر تراشی کہلاتی ہے۔ ولی کو پیکر تراشی کا فن خوب آتا ہے۔ ان کا دیوان بےشمار رنگین تصویروں کا البم ہے۔"(۳)

ولّی دکنی کی غزل کا اہم وصف سراپا نگاری اور پیکر تراشی ہے، ان کی غزل میں معاملاتِ عشق کی اور محبوب کے پیکر کی تصویر کشی جابجا ہوئی ہے اور تمثال کے خوبصورت نمونے ملتے ہیں ان کے دیوان کی پہلی غزل تمثال کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ محبوب کے لب و رخسار کے بیان کے ساتھ ساتھ اس کی ابرو کو تیر سے تعبیر کر کے ایک مکمل تصویر پیش کرتے ہیں۔ اس میں تلمیحات کے استعمال سے بھی محبوب کے حسنِ پیکر کی شدت کو بڑھانے کی سعی نظر آتی ہے۔ اسی طرح دوسری غزل اور آنے والے غزلوں میں پیکر تراشی اور تمثال کا تسلسل قائم رہتا ہے جیسا کہ۔

اے شوخ تجھ نین میں دیکھا نگاہ کر کر
عاشق کے مارنے کا انداز ہے سراپا(۴)

محبوب کی آنکھوں کی شوخی جو عاشق کو عشق میں مبتلا کرنے اور مارنے کے لئے کافی ہے، محبوب کی آنکھوں کی شوخی کا بیان ولّی بہترین تمثال کی شکل میں کرتے ہیں۔ تمثال کی تعریف میں مختلف ناقدین اس بات سے متفق ہیں کہ یہ ایک ایسا لفظ یا ترکیب ہے جس سے کسی حسی ادراک کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہاں محبوب کی نگاہوں کا قاتل پن محسوس ہوتا ہے اور یہ قتل گرفت حسن کی صورت میں عاشق کو دنیا و مافیہاسے بیگانہ کر دیتا ہے۔

تجھ مکھ کی پرستش میں گئی عمر مری ساری
اے بُت کی پجن ہاری ٹُک اس کو پجاتی جا
تجھ عشق میں جل جل کر سب تن کوں کیا کاجل
یہ روشنی افزا ہے انکھیاں کو لگاتی جا(۵)

یہاں پر تمثال کی خوبی بیان ہوئی ہے، ولّی نے کالک کو کاجل کے ہم معنی قرار دیا کہ عشق میں جل کر کندن بن جانا تو عشق میں جل کر وہ کاجل کی طرح کالا ہو گیا ہے۔ اور کاجل تو آنکھوں کو روشن کرتا ہے تو اگر محبوب اس کو آنکھ میں لگائے تو وصل کا احساس بھی ہو اور آنکھوں کی بصیرت بھی تیز ہو جائے۔ تمثیل الفاظ کی نقش گری ہے جس کے ذریعے کوئی حسی یا جذباتی تصویر پیش کی جاتی ہے۔ تمثال عمومی طور پر ایک مرئی تصویر ہوتی ہےلیکن کہیں کہیں یہ تشبیہہ یا استعارے کی صورت میں بھی نمودار ہوتی ہے۔ لیکن ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمثال تشبیہہ اور استعارہ

کی ترقی یافتہ شکل ہے۔ کیونکہ تمثال میں تشبیہہ اور استعارے سے زیادہ معنوی تہہ داری اور پیچیدگی پائی جاتی ہے۔ ولّی دکنی تشبیہہ اور استعارے کا استعمال کرتے کرتے تمثال کی وسعت تک جاپہنچتے ہیں۔ وہ محبوب کی تعریف و توصیف میں جو تصویر ہمارے سامنے پیش کرتے ہیں، اس میں ایسی بے ساختگی اور موزونیت ہوتی ہے کہ خیال ایک محرک صورت میں سامنے آتا ہے۔

موج دریا کو دیکھنے مت جا
دیکھ اسی زلفِ عنبریں کی ادا(۶)

یہاں پر استعارے کے مزاج میں تمثال کا رنگ نظر آتا ہے اسی طرح وہ کہتے ہیں کہ

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
ہے مطالعہ مطلع انوار کا
بلبل و پروانہ کرنا دل کے تئیں
کام ہے تجھ چہرۂ گل نار کا(۷)

ولّی دکنی کے ہاں تمثال کے نئے اور انوکھے نمونے ملتے ہیں۔ وہ منظر کو ابھارنے کے لئے لفظوں کے انتخاب اور ترتیب کا سہارا لیتے ہیں۔ ولّی دکنی یہ دکھانا چاہتے ہیں کہ عاشق کے لئے ہر صبح اپنے محبوب کا دیدار ایسا ہی ہے جیسا کہ مطالعہ مطلع انوار حکمت اور دانش کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اسی طرح بلبل و پروانہ کا استعمال کر کہ منظر کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ ولّی کا ہر شعر اپنے اندر ایک جاندار اور دلکش امیج لئے ہوئے ہیں۔ ولّی دکنی کی شاعری کو پڑھنے سے یہ احساس ہوتا ہے کہ انہوں نے اپنی شاعری کو محبوب کے لب و رخسار اور سر و قد کا محور بناتے ہوئے دیگر عناصر حیات کو سرسری طور پر بیان کیا ہے۔ وہ اپنے تجربات کو بیان کرنے کے لئے جو پیرایہ اظہار اپناتے ہیں وہ خوبصورت تشبیہات اور تمثال کا نمونہ ہے۔ اس حوالے سے ڈاکٹر سید عبداللہ لکھتے ہیں:

"ولّی کی عظمت ان کے منفرد اور عمیق تجربات میں نہیں بلکہ زیادہ تر اس میں ہے کہ انہوں نے تجربات کو ان کی نوعیت کچھ بھی ہو، ایک ایسے پیرایہ بیان میں ظاہر کیا ہے جو بذاتِ خود حسن و لطف کا بے نظیر پیکر اور نمونہ بن گئے ہیں۔"(۸)

ولّی دکنی کو فن شعر پر قدرت کے ساتھ ساتھ فکری بالیدگی بھی حاصل ہے۔ وہ تشبیہات، استعارات اور محاکات کے ذریعے معاملاتِ عشق کی ایسی پیکر تراشی کرتے ہیں کہ پڑھنے والا منظر کے لطف کے ساتھ جذبے کی شدت کا حسی ادراک حاصل کرتا ہے۔

یاد کرنا ہر گھڑی اس یار کا
ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا
آرزوئے چشمۂ کوثر نہیں
تشنہ لب ہوں شربتِ دیدار کا(۹)

ولّی دکنی نے نہایت دلکش پیرائے میں تمثال پیش کی ہے کہ دل جو محبوب کی چاہت میں مرضِ عشق میں مبتلا ہوگیا ہے، محبوب کو یاد کرنا ہی ایک ایسا وظیفہ ہے جو اس مرض کا علاج ہے۔ محبوب کے دیدار کے بدلے مجھے اگر حوضِ کوثر بھی عطا کی جائے تو مجھے اس کی طلب نہیں، اس کی آرزو نہیں بلکہ میں تو دیدارِ یار کا پیاسا ہوں اور وہ شربتِ دید میری پیاس بجھا سکتی ہے۔ ان اشعار میں عشق کا ایک ایسا منظر پیش کیا گیا ہے جس میں محبوب کے سوا حیات میں کچھ طلب و آرزو نہیں ہے۔

ہوش میرا نہیں رہا مجھ میں
جب سوں دیکھا ہے نازنین کی ادا(۱۰)

یہاں پر ولّی دکنی ایک بصری تمثال پیش کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب سے میں نے اس ناز و ادا کے پیکر کو دیکھا ہے میرا دل اس کے عشق میں گرفتار ہو گیا ہے، اور میں اپنے ہوش و حواس کھو چکا ہوں۔ ولّی جو تمثال پیش کرتے ہیں وہ ہر عاشق اور شاعر کے تخیل میں کہیں نہ کہیں موجود ہوتا ہے اور شعر سنتے ہی قاری اس تخیل کے رنگین تصور کے گرفت میں آجاتا ہے اور یہی ولّی کی امیج نگاری کی خوبی ہے۔ جیسا کہ محبوب کے زلفوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

تیری زلفاں کا ہر تار سیہ ہے کال عاشق کا
ہوا ہے اس کے جلوے سوں پریشاں حال عاشق کا(۱۱)

ولؔی کو سید عبداللہ نے جمال پرست کہا اور اکثر ناقدین اس کی سراپا نگاری کے وصف کو بیان کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ولؔی نے زیادہ تر اپنے محبوب کے قد، زلفوں، آنکھوں کی تعریف کی ہے اور اس کے لئے ولؔی تشبیہات، تلمیحات، اشارات کو بروئے کار لاتے ہیں۔ ولؔی دکنی نے محبوب کی سراپہ نگاری میں واقفیت اور تخیل دونوں سے کام لیا ہے۔ انھوں نے خالص محبت کی تصویر کشی بِلا کسی خوف و خطر کے کی ہے۔

دیکھا ہے جن نے باغ میں اس سر و قد کے تئیں
طوبی کی خوش قدی پہ سٹا دست روکے تیئں(۱۲)

اے سرو تیرے قدسوں ہے نت عید عاشقاں
قرباں کیا ہوں تجھ پہ میں عمرِ ابد کے تیئں(۱۳)

ولؔی دکنی سراپا نگاری کرتے ہوئے تلمیحات کو وسیلہ بناتے ہیں۔ ان کے ہاں نہ خیال کی قید ہے یہ الفاظ کی قلت۔ وہ ہر آنے والے خیال کو لفظوں کا خوبصورت لبادہ اڑا کر پیش کرتے ہیں۔ ولؔی اپنے اشعار میں تمثال کاری کے جوہر دکھاتے ہوئے ایک حسین رنگوں بھری تصویر بناتے ہیں۔ ولؔی محبوب کے قد و قامت کی جو تصویر بناتے ہیں وہ کوئی مصور نہیں بنا سکتا کیونکہ مصور کی تصویر بے حس و حرکت ہوتی ہے۔ جبکہ ولؔی کی تصویر جذبات و احساسات کی بھرپور ترجمانی ہوتی ہے۔

سراپا ہو کہ سودائی پڑا تجھ غم کے حلقے میں
تیری زلفاں کی سنبل نے حکایت سر بسرسن کر(۱۴)

ولؔی محبوب کے حسن کا شیدائی ہے وہ کہتا ہے کہ محبوب کے حسن کو دیکھ کر کسی کا دل سلامت نہیں رہ سکتا بلکہ وہ اس کے جادوئی حصار میں گرفتار ہو کر رہ جاتا ہے۔

نہ کر شمشاد کی تعریف مجھ پاس
کہ میں اس سر و قد کا مبتلا ہوں(۱۵)

ولؔی دکنی کی غزل کی ہر تصویر جاندار ہے۔ ولؔی نے اپنے احساسات و جذبات کو محرک کر کہ شعر کے قالب میں ڈالا۔ انھوں نے محبوب کی سراپا نگاری میں زور گوئی سے کام لیا۔ استعارے اور تشبیہ کے ساتھ ساتھ وسیع صورت میں تمثال کی رنگ آمیزی ان کی غزل کا خاصا ہے۔

حوالہ جات

۱۔ الحاج مولوی فیروز الدین (مرتب)، فیروزُ اللُغات اُردو جامع، فیروز سنز، لاہور، س ن، ص ۳۸۰
۲۔ ابوالاعجاز حفیظ صدیقی، کشافِ تنقیدی اصلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، س ن، ص ۴۸
۳۔ سنبل نگار، اردو شاعری کا تنقیدی مطالعہ، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۹ء، ص ۲۴
۴۔ نورالحسن ، ڈاکٹر،ہاشمی (مرتب)، کلیاتِ ولی دکنی، قومی اُردو کونسل، نئی دہلی، ۲۰۰۸ء، ص ۶۳
۵۔ ایضاً، ص ۶۷-۶۶
۶۔ ایضاً، ص ۶۸
۷۔ ایضاً،ص ۷۳
۸۔ سید عامر سہیل، قاضی عابد(ڈاکٹر)(مرتبین)، اُردو کے نمائندہ کلاسیکی غزل گو، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۲ء، ص ۴۵
۹۔ نورالحسن ہاشمی (مرتب)، کلیاتِ ولی دکنی، ص ۷۴
۱۰۔ ایضاً، ص ۶۸
۱۱۔ ایضاً، ص ۷۷
۱۲۔ ایضاً، ص ۲۰۶
۱۳۔ ایضاً، ص ۲۰۶
۱۴۔ ایضاً، ص ۱۳۸
۱۵۔ ایضاً، ص ۱۹۱